۴۰

جماعت احمدیہ کی موجودہ مشکلات و مصائب اور رمضان المبارک

(فرمودہ ۱۴- دسمبر ۱۹۳۴ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے حسب ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ- وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ[1]-

اور پھر فرمایا:-

ہم اس وقت رمضان کے مہینے میں داخل ہو رہے ہیں- یہ پہلا جمعہ ہے جو اس مہینہ میں آیا ہے اور ان دنوں کی یاد دلاتا ہے- وہ مبارک دن، وہ دنیا کی سعادت کی ابتداء کے دن، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکت کے دروازے کھولنے والے دن جب دنیا کی گھناؤنی شکل، اس کے بدصورت چہرے اور اس کے اذیت پہنچانے والے اعمال سے تنگ آکر محمد مصطفیٰ ﷺ غار حرا میں جاکر اور دنیا سے منہ موڑ کر اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر صرف اپنے خدا کی یاد میں مصروف رہا کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ دنیا سے اس طرح

بھاگ کر وہ اپنے فرض کو ادا کریں گے جسے ادا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ انہی تنہائی کی گھڑیوں میں' انہی جدائی کے اوقات میں اور انہی غورو فکر کی ساعات میں رمضان کا مہینہ آپ پر آگیا۔

اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے چوبیسویں رمضان کو وہ جو دنیا کو چھوڑ کر علیحدگی میں چلا گیا تھا اسے اس کے پیدا کرنے والے' اس کی تربیت کرنے والے' اس کو تعلیم دینے والے اور اس سے محبت کرنے والے خدا نے حکم دیا کہ جاؤ اور جاکر دنیا کو ہدایت کا رستہ دکھاؤ اور بتایا کہ تم مجھے تنہائی میں اور غارحرا میں ڈھونڈتے ہو مگر میں تمہیں مکہ والوں کی گالیوں اور ان کے شوروشغب میں ملوں گا۔ جاؤ اور اپنی قوم کو پیغام پہنچا دو کہ میں نے تم کو ادنیٰ حالت میں پیدا کرکے اور پھر ترقی دے کر اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا کہ تم کھاؤ' پیو اور مرجاؤ اور کوئی سوال تم سے نہ کیا جائے۔

وہ لوگ جو اپنی زندگی کا مقصد ہی عیش وطرب سمجھتے تھے' جن کے نزدیک دنیا طلبی ہی خدا طلبی کا نام تھا' جو ہر ایک عیش و آرام کو اپنا حق سمجھتے تھے ان کو جاکر یہ کہنا کہ اپنے اوقات نمازیں پڑھنے اور دعائیں کرنے میں صرف کرو' اپنے اموال بجائے شراب میں اڑانے اور جوئے میں ہارنے کے خدا کے رستے میں اور غریبوں کی پرورش میں خرچ کرو بظاہر وہی بات تھی جیسے بھینس کے سامنے بین بجانا۔ کون امید کرسکتا تھا کہ اس آواز کے مقابلہ میں ان کے قلوب سے بھی ایک آواز اٹھے گی' اس سُریلی تان کے مقابلہ میں ان کے قلوب کوئی شعور محسوس کریں گے' خود محمد رسول اللہ ﷺ بھی حیران رہ گئے جب آپ کو یہ حکم دیا گیا تو آپ نے جبرائیل کو حیرت سے دیکھ کر کہا کہ مَاأنَا بِقَارِئٍ[۲] میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ یعنی اس قسم کا پیغام مجھے عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کیا یہ الفاظ میرے منہ سے مکہ والوں کے سامنے زیب دیں گے' کیا میری قوم ان کو قبول کرے گی اور سنے گی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو متواتر حکم دیا گیا کہ جاؤ اور پڑھو۔ جاؤ اور پڑھو۔ جاؤ اور پڑھو۔ تب آپ نے اس آواز پر اور اس ارشاد کی تعمیل میں تنہائی کو چھوڑا اور جلوت اختیار کی مگر وہ کیسی مجلس تھی؟ وہ ایسی مجلس نہ تھی کہ جس میں ایک دوست بیٹھ کر دوسرے دوست کے سامنے اپنے شکوے بیان کرتا ہے' وہ ایسی مجلس نہ تھی جس میں دوست اپنے دوست کے خوش کرنے والے حالات سنتا اور لطف اٹھاتا ہے' وہ ایسی مجلس نہ تھی جس میں انسان اپنی ذہنی کوفت اور تکان کو دور کرتا ہے'

وہ قصوں کہانیوں والی مجلس نہ تھی، شعرو شاعری کی مجلس نہ تھی، وہ ایسی مجلس نہ تھی جس میں مباحثات اور مناظرات ہوتے ہیں بلکہ وہ مجلس ایسی تھی جس میں ایک طرف متواتر اور پیہم اخلاص کا اظہار ہوتا تھا تو دوسری طرف متواتر اور پیہم گالیاں، دشنام، ڈراوے اور دھمکیاں ہوتی تھیں، وہ ایسی مجلس تھی جس میں ایک دفعہ جانے کے بعد دوسرے دن جانے کی خواہش باقی نہیں رہتی، وہ ایسی گالیاں، ایسے ڈراوے اور ایسی دھمکیاں ہوتی تھیں کہ ایک طرف ان کے دینے والے سمجھتے تھے کہ اگر اس شخص میں کوئی حِس باقی ہے تو کل اس کے مونہہ سے ایسی بات ہرگز نہ نکلے گی، وہ خوش ہوتے تھے کہ آج ہم نے محمد (ﷺ) کی زبان بند کردی اور دوسری طرف جب خدا کا سورج چڑھتا تھا تو خدا کا یہ عاشق خدا کا پیغام مکہ والوں کو پہنچانے کیلئے نکل کھڑا ہوتا۔ پھر تمام دن وہی گالیاں، وہی دھمکیاں اور وہی ڈراوے ہوتے تھے اور اسی میں شام ہوجاتی مگر جب رات کا پردہ حائل ہوتا تو وہ سمجھتے کہ شاید آج یہ خاموش ہوگیا ہوگا مگر وہ جس کے کانوں میں خدا کی آواز گونج رہی تھی وہ مکہ والوں سے کیسے خاموش ہوجاتا۔ اگر تو اس کی رات سوتے گذرتی تو وہ بیشک اس پیغام کو بھول جاتا مگر جب اس کے سونے کی حالت جاگنے کی ہی ہوتی تو وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ وہ سبق جو دہرایا نہ جائے بیشک بھول سکتا ہے مگر جب آپ کی یہ حالت تھی کہ جونہی سرہانے پر سر رکھا وہی اقراء کی آوز آنی شروع ہوجاتی تو آپ کس طرح اس پیغام کو بھول جاتے۔ (اس موقع پر بارش کے چھینٹے پڑنے شروع ہوگئے۔ اور لوگوں میں کچھ حرکت پیدا ہوئی۔ اس پر حضور نے فرمایا گھبراؤ نہیں یہ بارش تمہاری مہینوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ جب تازہ بارش ہوتی تو رسول کریم ﷺ باہر نکل کر منہ کھول دیتے اور جب چھینٹا منہ میں گرتا تو فرماتے کہ یہ میرے ربّ کا تازہ انعام ہے)[۳] پس محمد مصطفیٰ ﷺ کو رمضان میں ہی یہ آواز آئی اور رمضان میں ہی آپ نے غار حرا سے باہر نکل کر لوگوں کو یہ تعلیم سنانی شروع کی۔

قرآن کریم میں آتا ہے۔ کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ۔ یعنی رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اُترا۔ اور دوسری جگہ ہے۔ کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَآ اَدْرٰكَ مَالَيْلَةُ الْقَدْرِ[۴]۔ یعنی قرآن کریم لیلۃ القدر میں اُتارا گیا ہے۔ رمضان رمض سے نکلا ہے جس کے معنی عربی میں جلن اور سوزش کے ہیں خواہ دھوپ کی ہو، خواہ بیماری کی۔ اور اس لئے رمضان کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا موسم جس میں سختی کے اوقات اور ایام ہوں۔ ادھر فرمایا۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ۔ ہم نے اسے رات کو اتارا اور رات تاریکی اور مصیبت پر دلالت کرتی ہے اور اس لئے ان دونوں آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ الہام کا نزول تکالیف اور مصائب کے ایام میں ہوا کرتا ہے جب تک کوئی قوم مصائب اور شدائد سے دوچار نہیں ہوتی' جب تک ان کے دن راتیں نہیں بن جاتے' جب تک وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے تکلیف نہیں اٹھاتی' جب تک جسم اندر اور باہر سے مصیبت نہیں اٹھاتا اس وقت تک خدا کا کلام نازل نہیں ہو سکتا۔ اور اس ماہ کے انتخاب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ اگر اپنے اوپر الہام الٰہی کا دروازہ کھلا رکھنا چاہو تو ضروری ہے کہ تکالیف اور مصائب سے گزرو اس کے بغیر الہام نہیں مل سکتا۔ پس رمضان کلام الٰہی کو یاد کرانے کا مہینہ ہے اسی لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس میں قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنی چاہیئے[۵] اور اسی لئے ہم یہاں اس مہینہ میں درس کا انتظام کرتے ہیں اور علاوہ درس کے بھی احباب کو چاہیئے کہ اس مہینہ میں زیادہ تلاوت کیا کریں اور معانی پر غور کیا کریں تا ان کے اندر قربانی کی وہ روح پیدا ہو جس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ یاد رکھو کہ پہلے تمہارے دن راتیں بنیں گے پھر خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوگا۔ یہ مہینہ بتاتا ہے کہ جو چاہتا ہے کہ دنیا کو فتح کرے اس کیلئے ضروری ہے کہ غارِ حرا کی علیحدگیوں میں جائے۔ دنیا چھوڑے بغیر نہیں مل سکتی۔ پہلے اس سے علیحدگی اختیار کرنی ضروری ہوتی ہے اور پھر یہ قبضہ میں آتی ہے وہ قبضہ جسے الٰہی قبضہ و تصرّف کہتے ہیں اور جہاں تک اس قبضہ کا تعلق ہے دنیا اسی کے پاؤں پر گرتی ہے جو اس سے دور بھاگتا ہے۔ ایک دنیوی قبضہ ہوتا ہے جیسا دجال کا ہے اس کے ملنے کا بیشک یہی طریق ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کیلئے وقف کردیا جائے لیکن جو خدا کا ہوکر اس پر قبضہ کرنا چاہے وہ اسی صورت میں کرسکے گا جب اسے چھوڑ دے گا۔ ابوجہل نے دنیا کیلئے کسب کرکے اسے حاصل کیا مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور پھر یہ آپ کو مل بھی گئی بلکہ ابوجہل سے زیادہ مل گئی ابوجہل زیادہ سے زیادہ ایک رئیس تھا مگر آپ اپنی زندگی میں ہی سارے عرب کے بادشاہ ہوگئے اور آج ساری دنیا کے بادشاہ ہیں۔ تو جو دنیا رسول ﷺ کو ملی وہ ابوجہل کو کہاں حاصل تھی۔ مگر ابوجہل کو جو ملا' دنیا کمانے سے ملا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو جو ملا وہ دنیا چھوڑنے سے ملا۔

پس روحانی جماعتوں کو دنیا' دنیا چھوڑ دینے سے ملتی ہے اور دنیاوی لوگوں کو دنیا کمانے

سے ملتی ہے۔ پس رمضان ہمیں توجہ دلاتا ہے کہ اگر مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ شدائد اور مصائب کو قبول کرو' راتوں کی تاریکیاں قبول کرو اور ان چیزوں سے گھبراؤ ہرگز نہیں یہ کامیابی کا گُر ہے اور اسی رستے سے تم بھی خدا تک پہنچ سکتے ہو۔ پس میں احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ جو مشکلات اس وقت ہمارے سامنے ہیں اور جن کے متعلق میں گذشتہ خطبات میں تفصیل سے بیان کرچکا ہوں ان سے گھبرائیں نہیں اور اس سلسلہ میں جو قربانیاں بھی کرنی پڑیں وہ کریں اور اس میں کوئی گھبراہٹ محسوس نہ کریں کیونکہ یہ ترقی کیلئے ضروری ہیں۔ دشمن زیادہ سے زیادہ تمہیں جو نقصان پہنچاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ ماردے مگر وہ موت جو خدا کی راہ میں تمہیں نصیب ہو بہترین زندگی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مُردہ مت کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں ۶ ۔ دراصل ان مشکلات سے نیک وبد میں امتیاز ہوجاتا ہے ست لوگ ہوشیار ہوجاتے ہیں۔ جب میں ابھی خطبہ بیان کررہا تھا تو چاروں طرف سے لبیک لبیک اور ہم تیار ہیں کی آوازیں آرہی تھیں مگر جب میں نے تفاصیل کو بیان کیا تو بعض جماعتیں بالکل خاموش ہوگئیں اور پہلی لبیک کو بھول گئیں اور بعض نے اخلاص کا ایسا نظارہ دکھایا کہ میرے ذہن میں بھی نہ آسکتا تھا اور اس طرح ایک امتیاز ہوگیا۔ سب سے زیادہ قربانی کی مثال اور اعلیٰ نمونہ قادیان کی جماعت نے دکھایا ہے۔ دشمن اعتراض کرتے ہیں کہ یہاں منافق جمع ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ منافق ایسی شاندار قربانیاں نہیں کرسکتے۔ یہاں کی احمدی آبادی سات ہزار کے قریب ہے۔ پنجاب میں احمدیوں کی آبادی سرکاری مردم شماری کے رُو سے ۱۹۳۱ء میں ۵۶ ہزار تھی جو بہت کم ہے۔ لیکن اگر ہم اسی کو درست سمجھ کر آج ۷۰ ہزار بھی سمجھ لیں تو گویا قادیان کی جماعت سارے پنجاب کا دسواں حصہ ہے لیکن ساڑھے ستائیس ہزار روپیہ کی تحریکات میں قادیان کی جماعت کی طرف سے پانچ ہزار روپیہ نقد اور وعدوں کی صورت میں آیا ہے اور ایسے ایسے لوگوں نے اس میں حصہ لیا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اگرچہ مجھے افسوس ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زیادہ حصہ لے سکتے تھے۔ مگر کم لیا ہے مگر ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنی حیثیت اور طاقت سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں جنہوں نے سارا اندوختہ دے دیا ہے' بعض ایسے ہیں جن کی چار چار پانچ پانچ روپیہ کی آمدنیاں ہیں اور انہوں نے کمیٹیاں ڈال کر اس میں حصہ لیا۔ یا کوئی جائداد فروخت کرکے جو کچھ جمع کیا

ہوا تھا وہ سب کا سب دے دیا ہے- باہر کی جماعتوں میں سے بعض کے جواب آئے ہیں اور بعض کے ابھی نہیں آئے اور نہ ہی آسکتے تھے مگر بظاہر حالات معلوم ہوتا ہے کہ قادیان کی جماعت بڑھ جائے گی- مجھے خوشی ہے کہ قادیان کی جماعت نے حسبِ دستور اس موقع پر بھی اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا ہے اور جو لوگ یہاں کے رہنے والوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں ان کیلئے یہ کافی جواب ہے کہ جب خدا کے دین کیلئے قربانی کرنے کا سوال پیش ہوتا ہے تو یہی لوگ سب سے زیادہ اعلیٰ نمونہ دکھاتے ہیں- اس میں شک نہیں کہ باہر سے تکالیف کو دیکھ کر یہاں بعض منافق بھی آجاتے ہیں- ان کے علاوہ یہاں چونکہ احمدیہ جماعت کی کثرت کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے بعض قسم کے مظالم سے لوگ بچے رہتے تھے' اس وجہ سے بعض گھروں کی نسلوں میں خرابی پیدا ہوکر بعض جوانوں میں نفاق پیدا ہوگیا تھا مگر یہ لوگ بہت کم تعداد میں ہیں- ان کے نمایاں نظر آنے کی وجہ یہ ہے کہ جیسے سفید رنگ کے کپڑے پر سیاہی کا ایک داغ بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے مگر کالی چیز پر اگر توے کی ساری سیاہی مَل دو تو بھی معلوم نہ ہوگی اسی طرح یہاں کے منافق بالکل اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح سفید کپڑے پر سیاہی کا دھبہ وہ اسی لئے نمایاں ہیں کہ یہاں سفیدی زیادہ ہے-

باہر کی جماعتوں کو یہاں کی جماعت پر ایک فضیلت ہے کہ وہ ہر وقت دکھوں میں رہتی ہیں اور اس وجہ سے وہاں منافق نہیں ٹھہرسکتے اور باہر کے دوست جب قادیان آتے ہیں تو یہاں کے منافق انہیں نمایاں نظر آتے ہیں جو ہر وقت اعتراض کرتے رہتے اور باہر سے آنے والوں کو غلط فہمیوں میں مبتلاء کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں- باہر کی جماعتوں میں سے بھی بعض نے اخلاص کا عمدہ نمونہ دکھایا ہے اور بعض نے تو اتنی ہوشیاری سے کام لیا ہے کہ حیرانی ہوتی ہے- مثلاً لاہور چھاؤنی کی جماعت کا وعدہ قادیان کی جماعت کے وعدہ کے ساتھ ہی پہنچ گیا تھا- کوئی دوست یہاں سے خطبہ سن کر گیا اور اس سے سن کر دوست فوراً اکٹھے ہوئے اور تحریک میں شامل ہوگئے اور جس وقت مجھے قادیان والوں کی رپورٹ ملی' اسی وقت لاہور چھاؤنی کی مل گئی- مگر بعض جماعتیں لاہور چھاؤنی کے پہلو میں اور اس کے رستہ میں ایسی ہیں جنہوں نے تاحال توجہ نہیں کی- یہ سُستی یا چُستی کا سوال ہے' خبر کے جلد یا بدیر پہنچنے کا نہیں- سرسری اندازہ یہ ہے کہ چودہ دن کے اندر اندر پندرہ ہزار کے قریب وعدے اور نقد روپیہ آچکا ہے جس میں سے چار ہزار کے قریب نقد ہے- اور ابھی جماعت کا بہت سا حصہ خصوصاً وہ

لوگ جن کی آمدنیاں زیادہ ہیں- خاموش ہے یا اس انتظار میں ہے کہ جماعت کے ساتھ وعدہ بھجوائے گا- لیکن دوسری طرف متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے یا غرباء میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کے پاس پیسہ نہیں تھا اور انہوں نے چیزیں پیش کردیں اور کہا کہ ہمارا اثاثہ لے لیا جائے- اگرچہ ہم نے لیا نہیں کیونکہ میرے اصل مخاطب امراء تھے مگر اس سے اتنا پتہ تو لگ سکتا ہے کہ جماعت میں ایسے مخلصین بھی ہیں جو اپنی ہر چیز قربان کردینے کیلئے تیار ہیں- اسی سلسلہ میں مجھے یہ بھی شکایت پہنچی ہے کہ بعض جماعتوں کے عہدیدار لوگوں کو یہ کہہ کر خاموش کررہے ہیں کہ جلدی نہ کرو' پہلے غور کرلو گویا ان کے غور کرنے کا زمانہ ابھی باقی ہے- ڈیڑھ دو مہینہ سے میں خطبات پڑھ رہا ہوں اور تمام حالات وضاحت سے پیش کرچکا ہوں لیکن ابھی ان کے غور کرنے کا موقع ہی نہیں آیا- یہ مشورہ کوئی نیک مشورہ نہیں یا سادگی پر دلالت کرتا ہے یا شاید بعض خود قربانی سے ڈرتے ہوں اور دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہتے ہوں کہ ان کی سُستی اور غفلت پر پردہ پڑا رہے- کیا رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جہاد کے موقع پر پہلے غور کیا جاتا تھا اور یہ کہا جاتا کہ جلدی نہ کرو' غور کرلو- قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؎ یعنی دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور جلدی کوشش کرو- مگر یہ کہتے ہیں کہ ٹھہر جاؤ' غور کرلو- حالانکہ غور کیلئے پہلے ہی کافی عرصہ مل چکا ہے- ایسے عہدیداروں کو یاد رکھنا چاہئیے کہ ان کی اس تلقین سے جو لوگ سبقت کے ثواب سے محروم رہیں گے' ان کا عذاب بھی انہی کی گردنوں پر ہوگا- لیکن میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ثواب سے محروم رہتا ہے تو اپنے کسی فعل کے نتیجہ میں رہتا ہے- یہ نظام کا کوئی سوال نہیں تھا کہ عہدہ داروں کے ماتحت رہ کر ہی کرنا ضروری تھا- ہر شخص اپنے طور پر بھی رقم بھیج سکتا یا اپنا نام لکھوا سکتا تھا- اسے کس نے روکا تھا کہ علیحدہ طور پر حصہ لیتا اور جو لوگ کسی ایسی وجہ سے ثواب سے محروم ہیں ان کی اپنی بھی غلطی ہے- جماعتی لحاظ سے بعض مقامات سے مجھے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ جماعتیں اپنی لسٹیں اکٹھی بھجوائیں گی گویا دیر اس وجہ سے ہے- ان جماعتوں پر یا ان کے افراد پر کوئی الزام نہیں- مگر ان میں سے بھی بعض مخلصین ایسے ہیں جنہوں نے اس دیر کو بھی برداشت نہیں کیا اور رقمیں بھیج دی ہیں اور جماعت کا انتظار بھی نہیں کیا- یہ گو معمولی باتیں ہیں مگر روحانی دنیا میں یہی چیزیں ثواب بڑھادینے کا موجب ہوجایا کرتی ہیں- ایسی معمولی باتیں بظاہر ہنسی والی ہوتی ہیں

مگر روحانی دنیا میں وہ بہت قیمتی ہوتی ہیں۔

رسول کریم ﷺ ایک دفعہ تقریر فرمارہے تھے بعض لوگ کھڑے تھے آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گلی میں جلسہ میں شامل ہونے کیلئے آرہے تھے آپ نے یہ آواز سنی تو وہیں بیٹھ گئے اور گھسٹ گھسٹ کر چلنا شروع کردیا۔[۸] اب بظاہر یہ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے کہ ایک شخص اکڑوں بیٹھا ہوا چلتا جارہا ہے۔ ایک شخص نے انہیں اس حالت میں دیکھا اور پوچھا کیا کررہے ہو۔ آپ نے کہا میں نے رسول کریم ﷺ کا ارشاد بیٹھ جانے کے متعلق سنا اور اس خیال سے کہ کیا معلوم وہاں پہنچنے تک جان ہی نکل جائے اور اس کی تعمیل کا موقع ہی نہ ملے، یہیں بیٹھ گیا۔ اب جس شخص نے انہیں اس حالت میں دیکھا وہ تو دل میں ہنستا ہوگا کہ یہ شخص کتنا نادان ہے مگر اسے کیا معلوم کہ یہی حرکت کس قدر خدا تعالیٰ کے حضور مقبول تھی۔ کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں دوسرے جلدبازی سمجھتے ہیں۔ اور ان کے کرنے والوں کے متعلق بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بڑے خیرخواہ بنے پھرتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بڑا نکتہ نواز ہے اور وہ ضرور ثواب حاصل کرلیتے ہیں۔ میں نے کسی گذشتہ خطبہ میں بیان کیا تھا کہ رسول کریم ﷺ نے ایک صحابی کے سپرد ایک مہمان کیا کہ اسے لے جاکر کھانا کھلاؤ۔ آپ اسے ساتھ لے گئے اور بیوی سے پوچھا کہ کھانا ہے۔ اس نے کہا صرف بچوں کیلئے ہی ہے اس سے زیادہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک تو مہمان ہے اور پھر رسول کریم ﷺ کا بھیجا ہوا۔ بیوی نے کہا کہ پھر اس طرح کرتے ہیں کہ میں بچوں کو یونہی تھپک کر سُلادیتی ہوں اس کے بعد دسترخوان بچھا کر کھانا رکھ دوں گی تم کہنا کہ روشنی ذرا اونچی کردو اور میں اونچی کرنے کے بہانہ سے گُل کردوں گی اور پھر معذرت کروں گی کہ آگ موجود نہیں اور روشنی کرنے کا کوئی اور سامان بھی نہیں ہمسائیوں کو اس وقت تکلیف دینا مناسب نہیں اس لئے اگر مہمان اندھیرے میں ہی کھانا کھالے تو اس کی مہربانی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، بچوں کو سلادیا اور بتی اونچی کرتے ہوئے دیا بجھادیا مہمان سے معذرت کردی اور اس نے کہا کوئی حرج نہیں، میں اندھیرے میں ہی کھالوں گا اور پھر خود مہمان کے ساتھ بیٹھ کر یونہی منہ مارتے رہے۔ اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے اس خیال سے کہ مہمان ہتک محسوس نہ کرے میاں بیوی دونوں اس کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گئے اور اس طرح مچاکے☆ مارنے شروع کئے کہ گویا کھانے میں بڑا لطف آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ

☆ چاٹنے کی آواز

حرکت ایسی پسند آئی کہ رسول کریم ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس سے آگاہ کیا اور جب وہ صحابی اگلے روز حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ہنس کر فرمایا کہ کل رات تو تم نے خوب لطیفہ کیا- وہ صحابی گھبرائے کہ شاید میرے متعلق کوئی شکایت کسی نے کردی ہے مگر آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری اس بات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی ہنسا اور میں بھی ہنستا ہوں۹ - اللہ تعالیٰ کی ہنسی کے یہ معنے نہیں کہ اس کے دانت اور ہونٹ ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوا- اس نے اس نکتہ کو نوازا اور اس کے عوض ان کے نام پر نیکیاں لکھیں- تو بعض دفعہ چھوٹی باتیں بھی خدا کو پیاری لگتی ہیں- سبقت کرنے والوں کی بعض باتیں بظاہر بیوقوفی کی ہوتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت مقبول ہوتی ہیں- ہاں اگر ان کے اندر ریاء ہو تو پھر وہ لعنت بن کر گلے کا طوق بن جاتی ہیں-

غرض یہ دن جو آئے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے رحمت کا موجب ہیں اور اگر ان سے فائدہ اٹھایا جائے تو عظیم الشان تغیر ہم اپنے اندر پیدا کرسکتے ہیں- اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی بعض ایسی باتیں ظاہر ہورہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمارے لئے بہت برکت کا موجب بنائے گا- ضرورت صرف استقلال کی ہے اُسی استقلال کی جو اس رمضان والے نے دکھایا- اسے ہرروز دِق کیا جاتا اور سمجھ لیا جاتا کہ اب اس کی زبان ہم نے بند کردی مگر دوسرے روز محمد رسول اللہ ﷺ پھر وہی بات پیش کردیتے- پس ضرورت ہے کہ دنیا ہم کو بے شرم کہے' بے حیاء کہے' پاگل کہے' لوگ کہیں کہ یہ بہت بے شرم ہیں ہم نے ان کو سَو دفعہ منع کیا ہے کہ ہمارے سامنے یہ باتیں نہ کیا کرو مگر باز نہیں آتے' یہ پاگل ہوگئے ہیں اور ان میں عقل کی کمی ہے- جب یہ بات پیدا ہوگی تو پھر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوگا- قرآن کریم کے بعد کسی نئے کلام کی تو ضرورت نہیں اور جو نیا اترے بھی وہ اسی کے تابع ہوتا ہے اس لئے کلام الٰہی کے نزول سے میرا مطلب یہ ہے کہ یہی کلام دوبارہ انسان کے دل پر اُترتا ہے جو اس غارِ حرا والے کی اتباع کرے- اس پر ایسے ایسے قرآن کریم کے معارف کھولے جاتے ہیں کہ وہ خود حیران رہ جاتا ہے کہ یہ قرآن تو پہلے بھی موجود تھا مگر اب تو یہ بالکل نیا معلوم ہوتا ہے- حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قبل دنیا میں قرآن تو موجود تھا مگر کس کام آتا تھا- ایک مصری عالم نے ایک مضمون لکھا تھا کہ ہمارے ملک میں قرآن کس کام آتا ہے لوگ اسے اچھے اچھے غلافوں میں لپیٹ کر طاقچوں میں رکھ چھوڑتے ہیں اور کبھی گرد بھی نہیں جھاڑتے یا کسی نے

بہت کیا تو کسی وقت اٹھایا اور بوسہ لے کر پھر وہیں رکھ دیا یا جھوٹ کو سچ کرنے کیلئے عدالت میں اس پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے قسم کھالی یا جب کوئی مرجائے اور قرآن شریف سے فائدہ اٹھانے کا وقت اس کیلئے گزر جائے تو کسی کو پیسے دے کر اس کی قبر پر پڑھوادیا- ہمارے اپنے ملک میں بھی لوگ آٹھ آٹھ آنے اور چار چار آنے لے کر قرآن کریم کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اس حد تک اس سے ناواقف ہیں کہ کسی جج نے کسی مسلمان زمیندار سے پوچھا کہ کیا قرآن اٹھاسکتے ہو- اس نے کہا حضور اگر بوجھ ایک من تک ہوا' تو اُٹھالوں گا لیکن چونکہ بوڑھا ہوگیا ہوں' اس لئے اس سے زیادہ نہ اٹھاسکوں گا- گویا قرآن اٹھانے کیلئے جسمانی طاقت کو دیکھتے ہیں کہ کتنا بوجھ اٹھاسکتی ہے- یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جھوٹی قسم کا بوجھ اٹھانے کی طاقت روح میں ہے یا نہیں- تو قرآن کی حقیقت باقی نہ تھی- اس کے مضامین کو اس قدر بگاڑا جاچکا تھا کہ وہ بجائے قابلِ فخر ہونے کے قابل نفرت ہوگئے تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس غار حرا والے کے نقشِ قدم پر چل کر قربانی کی اس کا کیا نتیجہ نکلا- وہی قرآن آپ کے ہاتھ میں تھا مگر وہ اژدھا بن گیا' ان حشرات الارض کیلئے جن کے وجود سے دنیا کو پاک کرنا ضروری تھا' وہ تلوار بن گیا ان دجالی لوگوں کیلئے جن کا زندہ رہنا دنیا کی تباہی کا موجب تھا-

ہم قرآن کو جہاں سے بھی کھولتے ہیں اسے نور' بینات اور فرقان سے پُر دیکھتے ہیں- لوگ پوچھتے ہیں کہ قرآن میں ہے کیا؟ ہم اپنے نفس سے پوچھتے ہیں کہ کونسی آیت قرآن کریم کی ایسی ہے کہ جس کے مطالب و معانی کبھی ختم بھی ہوسکتے ہیں- انہیں قرآن میں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور ہمیں اس کے خزانوں کی انتہاء دکھائی نہیں دیتی- ان کیلئے وہ ایک سیاہ توا☆ ہے جسے چھوتے ہی ہاتھ منہ کالا ہوجاتا ہے مگر ہمارے لئے وہ سورج سے بھی زیادہ چمکتا ہوا نور ہے- ان کیلئے وہ ایک زہر ہے' ایمان کو ہلاک کردینے والا- ان میں سے جو لوگ اسے پڑھتے ہیں' وہ زیادہ گمراہ' زیادہ دھوکاباز' زیادہ فریبی اور زیادہ حریص ہوتے ہیں مگر ہمارے لئے یہ تریاق ہے' تمام روحانی بیماریوں کیلئے- یہ فرق کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہمارے آقا' ہمارے ہادی اور ہمارے امام نے محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ذریعہ آپ سے ہی قرآن سیکھا پھر وہ علم آپ سے ہمیں پہنچا اور اس وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن ہمارے لئے نیا نازل ہوا ہے-

پس ان مصائب میں قرآن حاصل ہوتا ہے اور ہم اگر ان سے فائدہ اٹھائیں تو قرآن

☆ لوہے کا گول ظرف جس پر روٹی پکاتے ہیں

حاصل کرسکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ مصائب جن کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کا تازہ کلام حاصل ہو ان سے زیادہ قیمتی چیز اور کیا ہوسکتی ہے۔ اسے تو اگر جان دے کر بھی لیا جائے تو سستی ہے۔ پس رمضان ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ ہمیں دنیا کیلئے قربانی کرنی چاہیئے اور مشکلات و مصائب سے گھبرانا اور ڈرنا ہرگز نہیں چاہئے۔ خدا کیلئے اپنے اوپر موت وارد کرلینے اور تاریکی قبول کرلینے کے سوا خدا کو ہم نہیں پاسکتے اس لئے ہمارے دوست اس ظاہری رمضان سے بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں تا جو روحانی رمضان ہم پر آیا ہوا ہے اس سے بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم نے رمضان اس لئے نازل کیا ہے تا لوگوں کو سہولت پہنچے اور وہ تنگی سے بچ جائیں لیکن ہم دیکھتے ہیں بظاہر ان دنوں میں زیادہ تنگی ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ تم ایمان لاؤ اور پھر تنگیوں میں بسر کرو اس لئے ہم نے روزے فرض کئے تا تمہاری تنگیاں دور ہوں۔ یہ ایسا نکتہ ہے جو مومن کو مومن بناتا ہے اور جو یہ ہے کہ روزہ میں بھوکا رہنا یا دین کیلئے قربانی کرنا انسان کیلئے کسی نقصان کا موجب نہیں بلکہ سراسر فائدہ کا باعث ہے۔ جو یہ خیال کرتا ہے کہ رمضان میں انسان بھوکا رہتا ہے' وہ قرآن کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بھوکے تھے' ہم نے رمضان مقرر کیا تا تم روٹی کھاؤ۔ پس معلوم ہوا کہ روٹی یہی ہے جو خداتعالیٰ کھلاتا ہے اور اصل زندگی اسی سے ہے۔ اس کے سوا جو روٹی ہے وہ روٹی نہیں' پتھر ہیں جو کھانے والے کیلئے ہلاکت کا موجب ہیں۔ مومن کا فرض ہے کہ جو لقمہ اس کے منہ میں جائے' اس کے متعلق پہلے دیکھے کہ وہ کس کیلئے ہے۔ اگر تو وہ خدا کیلئے ہے تو وہی روٹی ہے اور اگر نفس کیلئے ہے تو وہ روٹی نہیں۔ جو کپڑا خدا کیلئے پہنا جائے وہی لباس ہے جو نفس کیلئے پہنتا ہے وہ ننگا ہے۔ دیکھو کیسے لطیف پیرایہ میں بتایا ہے کہ جب تک خدا کیلئے تکالیف اور مصائب برداشت نہ کرو تم سہولت نہیں اٹھاسکتے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کا بھی ابطال ہوجاتا ہے جو بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام رمضان کو موٹے ہونے کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں کیلئے تو رمضان ایسا ہی ہوتا ہے جیسے گھوڑے کیلئے خوید وہ ان دنوں میں خوب گھی' مٹھائیاں اور مرغن اغذیہ کھاتے ہیں اور اسی طرح موٹے ہوکر نکلتے ہیں جس طرح خوید کے بعد گھوڑا۔ یہ چیز بھی رمضان کی برکت کو کم کرنے والی ہے۔ ہماری جماعت کے دوستوں نے عام اقرار کیا

ہے کہ غذا کو سادہ کردیں گے اور صرف ایک سالن پر گزارہ کریں گے- اس میں شک نہیں کہ اس پر عمل میں نے ہر ایک کی مرضی پر چھوڑا ہے اور یہ تحریک اختیاری ہے مگر میں سمجھتا ہوں یہ اختیار صرف نیکی کو زیادہ کرنے کیلئے ہے ورنہ جو احمدی اسے اختیار نہیں کرتا' وہ نیکی سے محروم رہتا ہے اس لئے دوستوں کو رمضان کے مہینہ میں خاص طور پر اس اقرار کے متعلق احتیاط برتنی چاہیئے-

افطار میں تنوّع اور سحری میں تکلّفات نہیں کرنے چاہئیں اور یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ سارا دن بھوکے رہے ہیں اب پُرخوری کرلیں- رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام افطار وغیرہ کیلئے کوئی تکلفات نہ کرتے تھے کوئی کھجور سے' کوئی نمک سے' بعض پانی سے اور بعض روٹی سے افطار کرلیتے تھے اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی اسی طریق کو پھر سے جاری کریں- جبکہ دین کیلئے خداتعالیٰ وہ زمانہ پھر لایا ہے اور اس کیلئے طرح طرح کے مصائب ہیں (بیشک ذاتی طور پر ہمارے لئے کوئی مصیبت نہیں لیکن جب دین کیلئے مصیبت ہے تو وہ ہمارے لئے ہے) اور خداتعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم وہی دن یاد کریں جب قرآن نازل ہوا تھا- تو ہمارے لئے بھی وہی طریق اختیار کرنا ضروری ہے جو ان دنوں میں تھا- پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ - یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ گنتی پوری کرو- مفسرین نے اس کے یہ معنی کئے ہیں اور میں خود بھی کبھی کبھی یہ معنی کیا کرتا ہوں اور وہ بھی صحیح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان اس لئے مقرر کردیا کہ تا دن پورے ہوجائیں- اگر یونہی حکم دے دیتا کہ روزے رکھو تو کوئی دس رکھ لیتا' کوئی بیس' کوئی کم کوئی زیادہ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مہینہ مقرر کردیا کہ تا گنتی پوری ہوجائے- ظاہر میں اس کے یہ معنی بھی ہیں مگر یہ بھی اس کا مطلب ہے کہ اصل زندگی انسان کی وہی ہے جو نیکی میں گزرے جو دنیا کیلئے عمر کا حصہ گزرے وہ باطل ہے اور اس لحاظ سے اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے روزے اس لئے رکھے ہیں کہ تا تم اپنی عمر پوری کرلو- جو لوگ دنیا میں ہی مصروف رہتے ہیں وہ گویا زندہ ہوتے ہی نہیں- وہ اس دنیا میں ہی مرگئے اور مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى [۵] جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا اسی طرح روحانیت سے اور لوگوں کو قرآن کریم میں مُردہ قرار دیا گیا ہے- پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے روزے مقرر کئے ہیں تا تم دنیا میں اپنی مقررہ عمر بسر کرلو- چونکہ بنی نوع انسان کیلئے کھانا پینا لازمی ہے' اس لئے سارا سال تو روزے

رکھے نہ جاسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصل کے مطابق کہ ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گُنے ملتا ہے ایک ماہ کے روزے مقرر کردیئے اور اس طرح رمضان سارے سال کے روزوں کا قائمقام ہوگیا اور جس نے اس میں روزے رکھ لئے' اس نے گویا سارے سال کے روزے رکھ لئے اور اس طرح اس کی زندگی واقعی زندگی ہوگئی۔

پھر فرمایا۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ یہ دن اس لئے ہیں کہ تا اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اس کی تکبیر کرو۔ یہ نہیں کہ شکوہ کرو کہ ہمیں بھوکا رکھا بلکہ یہ سمجھو کہ بڑا احسان کیا کہ روزہ جیسی نعمت ہمیں عطا کی۔ یہاں مومن کا نقطہ نگاہ واضح کیا گیا ہے کہ اسے قربانی کا جو موقع ملے وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھتا ہے اور جس قوم کا یہ نقطہ نگاہ ہوجائے پھر اسے کوئی تباہ نہیں کرسکتا اور وہ ضرور کامیاب ہوکر رہتی ہے۔ ایسی قوم حقیقی معنوں میں زندہ قوم ہوجاتی ہے۔ جب ایک شخص کے دل میں یہ خیال ہو کہ مجھ پر جو دینی ذمہ داریاں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہیں تو وہ اس کی بڑائی کرے گا اور جو خدا کی بڑائی کرے' خدا اس کی بڑائی کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تمہیں جو کوئی تحفہ دے' تم اسے اس سے بہتر واپس کرو اور جب ہمیں یہ حکم دیا تو کیونکر ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ایسا نہ کرے۔ انسان اس کی خدمت میں تحفہ پیش کرے اور وہ اس سے بہتر اسے نہ دے۔ پس جو خدا کی بڑائی کرتا ہے خدا ضرور اس کی بڑائی کرتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ تکبیر صرف منہ سے نہ ہو جیسے احراری کرتے ہیں۔ وہ بھی اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہیں مگر دراصل وہ اللہ اکبر نہیں بلکہ اللہ اصغر کہتے ہیں کیونکہ ان کی کوششیں خدا کا نام اونچا کرنے کیلئے نہیں بلکہ نیچا کرنے کیلئے ہوتی ہیں۔ وہ پورا زور لگارہے ہوتے ہیں کہ دین ذلیل اور بدنام ہو۔ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام ایسا مذہب ہے جس کے پیرو اوباش اور آوارہ لوگ ہی ہوتے ہیں جو دوسروں کو گالیاں دیتے اور پتھر مارتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے نعروں سے خوش نہیں ہوسکتا۔ جس تکبیر سے وہ خوش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ گالیاں کھاؤ' ماریں کھاؤ' پتھر کھاؤ اور پھر اللہ تعالیٰ کی تکبیر کرو کہ اس نے ہمیں یہ مواقع عطا کئے ہیں۔

حقیقی تکبیر یہی ہے کہ جتنا زیادہ ظلم ہو' اتنا ہی زیادہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے کہ مجھ پر اس کے کتنے احسان ہورہے ہیں۔ جب اس پر مصیبت نازل ہو وہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر کرے اور اس کی بڑائی بیان کرے۔ ایسے شخص کی تکبیر کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا

اور اس کی بڑائی کرتا ہے ورنہ منہ کی تکبیریں کسی کام نہیں آسکتیں۔ پھر فرمایا وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ یہ رمضان ہم نے اس لئے اُتارا ہے کہ تم شکرگزار بنو۔ یعنی تکبیر کے بعد شکر کرو کہ خدا نے اپنی تکبیر کی توفیق دی اور پھر اس بات کا شکر کرو کہ خدا نے اپنے شکر کی توفیق دی اور پھر اس شکر کی توفیق ملنے پر شکر کرو اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے شکر کا یہ ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجائے گا کہ انسان ہروقت اسی کے دروازہ پر گرا رہے گا اور اس غلام کی طرح ہوجائے گا جو کسی صورت میں اپنے آقا کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہی وہ بندے ہیں جن کے متعلق فرمایا۔ وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ اور جس کے اندر یہ حالت پیدا نہیں ہوتی' وہ خدا کا بندہ نہیں شیطان کا بندہ ہے۔ لیکن جو بندے ایسے ہوں کہ ابتلاء آنے اور تکلیف نازل ہونے پر خوش ہوں اور ان کی مثال لقمان کی سی ہوجائے جن کے متعلق آتا ہے کہ ان کے آقا کے پاس بے موسم کا خربوزہ آیا۔ چونکہ آقا کو آپ سے بہت محبت تھی اس نے کاٹ کر آپ کو ایک قاش دی اور آپ نے مزے سے کھالی۔ اس نے ایک اور دی اور وہ بھی آپ نے اس طریق سے کھائی کہ گویا بہت مزیدار ہے۔ اس پر اس نے خود بھی ایک قاش منہ میں ڈالی تو وہ سخت کڑوی تھی۔ اس نے کہا کہ آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ یہ کڑوی ہے اور حیرت سے کہا کہ تم پر میں نے اتنا بڑا ظلم کیا اور تم نے بتایا تک نہیں کہ یہ سخت کڑوی ہے۔ آپ نے کہا کہ میں نے آپ کے ہاتھ سے اس قدر میٹھی قاشیں کھائی ہیں اور اگر ایک دو کڑوی کھانے پر منہ بناتا تو مجھ سے زیادہ بے حیا کون ہوتا۔ یہی سچے مومن کی علامت ہے۔ اسے جب ٹھوکر لگتی ہے' جب قربانی کرنی پڑتی ہے' لوگ تو سمجھتے ہیں کہ اس پر مصیبت آئی ہے مگر وہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر میرے رب کا احسان ہوا ہے۔ کُتّے کو دیکھو' مالک ناراض ہو کر ٹھوکریں مارتا ہے مگر وہ پھر بھی اس کے بوٹ چاٹتا ہے تو کیا وفادار انسان کے اندر کُتّے جتنی وفا بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ یہی وفاداری ہے جو اگر انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔ غلام کو دیکھو اس کا آقا خواہ کتنا اسے دھتکارے' وہ اس کے مکان سے باہر نہیں جا سکتا۔ آج کل غلام تو نہیں ہوتے مگر بعض زمینداروں کے گھروں میں اس کی مثال ملتی ہے۔

خاوند بعض اوقات ناراض ہو کر بیوی سے کہہ دیتا ہے کہ نکل جا میرے گھر سے مگر کیا وہ نکل جاتی ہے؟ نہیں بلکہ اگر وہ نکلنے بھی لگے تو خاوند خود ہی چمٹ جائے کہ کہاں جاتی ہو۔

میرا یہ مطلب تو نہیں تھا- اسی طرح مومن پر مصائب اور دکھ آتے ہیں- اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ دیکھتا ہے کہ میرے اس بندہ کو مجھ سے کتنی محبت ہے اور جب وہ بندہ اپنے آپ کو غلام سمجھتا اور عمل سے ثابت کردیتا ہے کہ اب میں خدا کا در چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا اور اس امتحان میں پاس ہوجاتا ہے تب اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے اس پر کھلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بندے کے متعلق فرماتا ہے اِنِّیْ قَرِیْبٌ جس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہوسکتے ہیں کہ خداتعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ رہے اور جب کوئی بندہ اس حد تک پہنچے تو سمجھ لے کہ اس نے خدا کو پالیا- اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ قَرِیْبٌ میں بتایا ہے کہ بندہ تو معذور ہے کہ مجھ تک پہنچ سکے' اس لئے میں اس کے پاس آجاتا ہوں اور جب بھی وہ مجھے پکارے' میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں- ادھر اس کی آواز نکلتی ہے اور ادھر قبول کی جاتی ہے- اس کے بعد فرمایا فَلْیَسْتَجِیْبُوْالِیْ وَلْیُؤْمِنُوْابِیْ- یعنی ان کو بھی چاہیئے کہ میری باتوں کو زیادہ سے زیادہ قبول کریں اور کیسے بھی ابتلاء ان پر آئیں شک میں نہ پڑیں کہ شاید ہم تباہ ہونے لگے- اپنے رب پر یقین رکھیں کہ وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا' بلکہ ان ابتلاؤں کے نتیجہ میں ہمیں اور بھی ترقی بخشے گا- پھر فرمایا- لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ابھی تک تو مجھ کو ان تک آنا پڑتا ہے مگر جب وہ یہ مقام حاصل کرلیں گے تو پھر ان کے اندر یہ طاقت پیدا ہوجائے گی کہ وہ خود مجھ تک آسکیں گے- پہلے اِنِّیْ قَرِیْبٌ کہہ کر بتایا تھا کہ میں اس کے پاس آتا ہوں مگر یَرْشُدُوْنَ کہہ کر بتایا کہ بندہ میں ترقی کرتے کرتے ایک قسم کی الوہیت پیدا ہوجاتی ہے- پہلے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے نابینا آدمی کے پاس اس کا دوست بیٹھا رہے مگر پھر یہ مقام حاصل ہوجاتا ہے کہ جیسے بینا کے سامنے اس کا محبوب بیٹھا ہو- پس یہ دن برکت کے ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اُٹھاؤ نہ صرف ظاہری بلکہ روحانی رمضان بھی اپنے اوپر وارد کرو اور قربانی کا جو موقع ملے' اسے اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھو تب تم عِبَادِیْ میں داخل ہوسکو گے-

دیکھو خان بہادری کا خطاب حاصل کرنے کیلئے لوگ لاکھ لاکھ دو دولاکھ روپیہ خرچ کردیتے ہیں حالانکہ خان بہادر اگر بادشاہ کے دروازے میں بھی گھسنے لگے تو پولیس پکڑ کر جیل میں ٹھونس دے کہ یہ بدنیتی سے داخل ہورہا ہے- مگر خدا کیلئے انسان جو قربانی کرتا ہے اس کے بدلہ میں پہلے تو خدا اس کے پاس آتا ہے مگر جب وہ ترقی کرتا جائے تو خود بھی اس کے پاس پہنچنے کے قابل ہوجاتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہوجاتی ہے کہ جیسے پہلے بچہ گھوارہ میں پڑا

ہوا جب روتا ہے تو ماں دوڑ کر اس کے پاس پہنچ جاتی ہے لیکن بچہ جب ذرا بڑا ہوجائے اور اس کی ماں کسی کام میں لگی ہو تو وہ خود دوڑ کر اس کے پاس جا پہنچتا ہے۔ جب انسان ابتدائی حالت میں قربانی کرتا ہے تو وہ کمزور ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انی قریب۔ میں اس کے پاس پہنچ جاتا ہوں مگر جب سختیوں اور مصیبتوں کے ذریعہ وہ ترقی کرتا ہے تو اس کے اندر ایسی طاقت پیدا ہوجاتی ہے کہ خود خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ گہوارہ میں پڑے ہوئے بچہ کو تو کبھی اس کی ماں جھڑک بھی دیتی ہے کہ کام نہیں کرنے دیتا اور اس کے رونے کی پرواہ نہیں کرتی مگر جب وہ خود چلنے پھرنے کے قابل ہوجائے تو خود اس کے پاس جاپہنچتا ہے اور وہ خواہ چولہے کے پاس ہو' اسے جاچمٹتا ہے اور لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ کا یہی مطلب ہے کہ انسان ترقی کرتے کرتے خداتعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جلسہ کے دن قریب ہیں۔ خطبہ کے پہلے حصہ کے بعد مجھے اب کچھ زیادہ اس کے متعلق کہنے کی ضرورت نہیں اس لئے مختصراً یہ ہدایت کرتا ہوں کہ جو لوگ اپنے مکان دے سکیں' وہ مکان دیں' جو اپنے آپ کو خدمت کیلئے پیش کرسکیں اپنے آپ کو پیش کریں اس بوجھ کو اٹھانے کیلئے ہر طرح تیار رہیں اور ہر تکلیف جو اس سلسلہ میں پہنچے' اسے بخوشی برداشت کریں اور جو کام بھی کرنا پڑے خوشی اور بشاشت سے کریں۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ کے ارشاد کے ماتحت اللہ تعالیٰ کی تکبیر کریں کہ اس نے اس کی توفیق عطا فرمائی اور پھر اس پر اس کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے اس نکتہ کو سمجھنے کی توفیق دی۔ وقت زیادہ ہوگیا ہے اس لئے میں زیادہ بیان نہیں کرسکتا۔ مگر باہر کے دوستوں کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دشمن نے یہاں آکر یہ بتانا چاہا ہے کہ وہ قادیان میں اپنی شوکت دکھانا چاہتا ہے اس لئے انہیں بھی چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں یہاں آئیں اور دشمن کو بتادیں کہ ہم گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں اور مرکز کی طرف زیادہ سے زیادہ کشش رکھتے ہیں۔ زیادہ تعداد میں آنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ عورتوں اور بچوں کو زیادہ تعداد میں لائیں۔ جو لوگ اپنے بیوی بچوں کو لانے کا ارادہ کرچکے ہیں وہ ان کو بھی لائیں مگر کوشش یہ کی جائے کہ مرد زیادہ سے زیادہ آئیں اور ساتھ غیراحمدیوں کو بھی لائیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میرے اس خطبہ کی تحریک کے نتیجہ میں عورتوں اور بچوں کو نہ لائیں بلکہ مردوں کو لانے کی کوشش کریں لیکن میں عورتوں کو جو ہمیشہ آتی ہیں۔ یا جو پہلے سے ارادہ کرچکی ہیں' لانے سے منع بھی نہیں کرتا۔

غرض دوستوں کو چاہیئے کہ جلسہ کے موقع پر کثرت کے ساتھ قادیان میں آکر یہ ثابت کردیں کہ مومن کو خداتعالٰی سے جتنا دور کرنے کی کوشش کی جائے' اتنا ہی وہ زیادہ اس کی طرف راغب ہوتا ہے- عربی میں کہتے ہیں اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ انسان کو جس چیز سے منع کیا جائے اس کی طرف اس کی رغبت بڑھتی ہے- پس جب دنیا کے متعلق انسان کا یہ خاصہ ہے تو جب خداتعالٰی سے مومن کو روکنے کی کوشش کی جائے تو اس کے اشتیاق میں کس قدر اضافہ ہونا چاہیئے- پس دشمن کو اپنے عمل سے بتادو کہ جتنا زیادہ ہمیں قادیان آنے سے روکا جائے' اتنا ہی زیادہ ہم آئیں گے اور سر کے بل آئیں گے اور کہ ہم اس کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے اور اس مقام پر ہر حالت میں پہنچ جائیں گے جسے خدا نے برکت دی ہے-

(الفضل ۳۰- دسمبر ۱۹۳۴ء)

۱؎ البقرۃ:۱۸۶'۱۸۷

۲؎ بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ ﷺ

۳؎ مسلم کتاب صلوٰۃ الاستسقاء باب الدعاء فی الاستسقاء (مفہومًا)

۴؎ القدر:۲'۳

۵؎

۶؎ البقرۃ:۱۵۵

۷؎ البقرۃ:۱۴۹

۸؎ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہٖ

۹؎ بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الحشر باب قولہ ویؤثرون علٰی انفسھم

۱۰؎ بنی اسراءیل:۷۳